تعلق مع اللہ کی ضرورت واہمیت

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما﴾ صدق اللہ مولانا العظیم

آپ کی خدمت میں چند گزارشات اور معروضات پیش کرنی ہیں، اغلب ہے کہ میری گفتگو مرتب نہیں ہوگی، ایک تو میرے اپنے عوارض اور امراض کی وجہ سے، دوسرے کمزوری اور ضعف کی بنا پر اور تیسرے طویل سفر سے آنے کی وجہ سے۔ آپ دعا فرمائیں کہ جو کچھ میں گزارش پیش کروں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں وہ قبول ہو جائے، آپ کو بھی اس سے فائدہ ہو اور مجھے بھی اس سے فائدہ ہو۔

پہلی بات میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو زندگی اور جو جان ہمیں عطا فرمائی ہے یہ ہماری اپنی نہیں ہے، اللہ کی ہے۔ نہ زندگی اپنی ہے اور نہ ذات اور شان اپنی ہے۔ یہ سب اللہ کی عطا، اس کی عنایت اور اس کی مہربانی ہے۔ ہمیں اپنی جان کی بھی حفاظت کرنی ہے اور اپنی زندگی کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ قرآن کریم نے لا تقتلوا انفسکم کا حکم دیا ہے۔ کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرنا اور ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے آپ کو ہلاکت کے اندر نہ ڈالنا اور نبی اکرم نے فرمایا ہے "ان لنفسک علیک حقا" "تیری ذات کا بھی تیرے اوپر حق ہے" وان لعینک علیک حقا" اور تیری آنکھ کا بھی تیرے اوپر حق ہے اور یہ بھی آپ جانتے ہیں، یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ دنیا کی کوئی خوبی، دنیا کا کوئی کمال، آخرت کی کوئی خوبی، آخرت کا کوئی کمال، وہ زندگی پر ہی موقوف ہے۔ آدمی زندہ ہوتا ہے تو دنیا کے اندر

بہت سے کام کرتا ہے، بہت سی ترقی کرتا ہے، بہت سے مقاصد اور مطالب حاصل کرتا ہے، اسی طرح آخرت کی تیاری کے لیے بھی آدمی کو اپنی زندگی ہی سے کام لینا ہے، یہ اگر زندگی نہ ہو، یہ جان نہ ہو تو آپ دنیا کا کون سا کام کر سکتے ہیں؟ یا آخرت کے لیے آپ کون سی تیاری اور کونسی کوشش اور سعی کر سکتے ہیں؟ تو اس لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی جان کی بھی حفاظت کی جائے اور اپنی زندگی کی بھی حفاظت کی جائے اور اس کا صحیح استعمال کیا جائے۔

ایک تو مقصود ہوتا ہے، اس کے لیے آدمی کوشش کرتا ہے اور ایک مقصود کے ذرائع ہوتے ہیں، مقصود کو حاصل کرنے کے لیے وسائل ہوتے ہیں تو جس طرح مقصود کی حفاظت ضروری ہے، اسی طریقہ سے وہ ذرائع اور وہ وسائل جو ہوتے ہیں وہ بھی مرغوب قرار دیے جاتے ہیں اور ان کا بھی اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی کو کسی نے تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا حضرت یہ تو مبتدیوں کے لیے ضروری ہوتا ہے، آپ کو اس کی حاجت کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ ہماری محسن ہے، اس کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں مقصود تک رسائی عطا کی ہے، تو ہم اس محسن کو کیسے چھوڑ دیں؟ ہم تو اس کو اپنا رفیق اور محسن سمجھتے ہیں۔ تو بہر حال میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مقصود تو مقصود ہوتا ہے، لیکن جو ذرائع ہوتے ہیں اور جو وسائل ہوتے ہیں ان کی بھی رعایت کی جاتی ہے اور ان کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک بات ہوگئی۔

دوسری بات مجھے آپ سے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ نے سنا ہوگا "من کان للہ کان اللہ لہ" جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں، کیا سمجھے؟ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کے ہو جاتے ہیں اور جس کے اللہ ہو جاتے ہیں اس سے زیادہ خوش نصیب اور اس سے زیادہ بہرہ ور اور اس سے زیادہ قیمتی کون آدمی ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے بشر الصابرین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واُولئک ھم المھتدون

آپ خوش خبری سنا دیجیے، آپ بشارت دیجیے ان لوگوں کو کہ جب ان کے پاس کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ مصیبت کے آنے پر کہتے ہیں "انا للہ وانا الیہ راجعون" ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے، اللہ ہمارا خالق ہے، ہمارا مالک ہے، ہمارا آقا ہے۔ ہم نے ابھی عرض کیا کہ ہماری زندگی اپنی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی دی ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور جو آدمی مصیبت میں گرفتار ہونے کے بعد "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتا ہے تو اس کو بشارت مل گئی ہے۔ دو باتیں قابل غور ہیں، ایک تو یہ کہ ہم اللہ کے ہیں، جو ہمارا مالک ہے، وہ ہمارے اندر جس طرح کا کوئی تصرف کرنا چاہیے تو کر سکتا ہے، مالک کو اپنی ملک کے اندر ہر طرح کا اختیار ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمارے اندر ہر طرح کا اختیار ہے، اگر ہم نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دیا ہے تو اللہ کے حوالہ کر دینے کے بعد پھر پریشانی نہیں ہوتی، پھر گلہ نہیں ہوتا، پھر شکوہ نہیں ہوتا۔

حضرت بہلولؒ دانا سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ تو فرمایا کہ اس آدمی کا کیا حال پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے؟ سائل نے کہا: بات سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے کہا میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی رائے کو، اپنی پسند کو، اپنے اختیار کو اللہ کے حوالہ کر دیا ہے۔ میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اللہ کی جو مرضی ہے میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ کی جو مرضی ہے وہی میری بھی مرضی ہے اور یہ آپ جانتے ہیں کہ اس کائنات کا جو نظام چل رہا ہے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے اور میری مرضی اللہ کی مرضی میں شامل ہو گئی ہے لہٰذا یہ سارا نظام میری مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔ ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنا اختیار اللہ کے حوالہ کر دیا ہے لہٰذا اب میں آرام سے اور راحت سے ہوں۔

میں آپ کو ایک بات ضروری بتاتا ہوں، کوئی بھی حالت ہو، کوئی بھی صورت ہو، اچھی ہو یا بری، راحت کی ہو یا تکلیف کی، آپ یہ فیصلہ کر لیں کہ اللہ جس پر راضی میں اس پر راضی، جب آپ یہ فیصلہ کر لیں گے کہ جس پر اللہ راضی ہے اس پر میں راضی ہوں تو آپ کو پریشانی نہیں ہوگی، آپ کو بے قراری نہیں ہوگی۔ آپ کو سکون اور اطمینان ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں کہا کہ ان لوگوں کو بشارت سناؤ جو مصیبت پیدا ہونے کے بعد "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہیں۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" میں اللہ تبارک وتعالی کا ذکر ہے اور ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان ملتا ہے، ہم عادت ڈالیں، اللہ کے ذکر کو اپنا معمول بنائیں، اللہ کی یاد کے اندر اپنے آپ کو مشغول رکھیں، جب ہم اللہ کی یاد میں اپنے آپ کو مشغول رکھیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دل کو اطمینان نصیب ہوگا۔

یہاں دو باتیں ہیں ایک بات تو یہ کہ ہم اللہ کی ملک ہیں، وہ مالک ہے، وہ جو تصرف کرے، جو معاملہ ہمارے ساتھ کرے؟ اس میں کسی کو دخل دینے کا حق ہی نہیں ہے، کون ہے دخل دینے والا؟ کوئی اور مالک ہے، کوئی اور خالق ہے؟ کسی اور نے ہمیں پیدا کیا ہے؟ یہ سینکڑوں ہزاروں نعمتیں ہیں، رات دن میسر ہیں، یہ اللہ کے علاوہ کوئی اور دے سکتا ہے؟ یہ اللہ دے رہا ہے، تو اللہ ہمارا مالک ایک بات۔

دوسری بات یہ کہ ہم اللہ کے پاس واپس بھی جائیں گے۔ مطلب یہ کہ یہاں اللہ کی مرضی کے مطابق اگر ہم زندگی گزاریں گے تو اللہ کے پاس جانے کے بعد اللہ ہمیں ثواب عطا فرمائیں گے، اللہ ہمیں نعمتوں سے سرفراز فرمائیں گے، اللہ ہمیں جنتوں کے اندر داخل فرمائیں گے، آپ نہیں دیکھتے دنیا کے اندر آدمی کتنی محنت کر رہا ہے؟ آپ یہاں سے باہر نکل کر دیکھیے دنیا کے اندر آدمی کتنی محنت کر رہا ہے؟ آپ یہاں سے باہر نکل کر دیکھئے ایک نہیں، دو نہیں، دس نہیں، سو نہیں، ہزار نہیں، لاکھوں آدمی جو دنیا کے فائدے حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کھپا رہے ہیں۔ ایک آدمی نوکری کرتا ہے، کیوں کرتا ہے؟ نوکری اسی لیے کرتا ہے کہ مہینہ کے بعد تنخواہ ملے گی، ایک آدمی ہے، دکان میں بیٹھا ہوا تجارت کر رہا ہے، صبح سے لے کر شام تک وہ وہاں مشغول رہتا ہے، کیوں؟ چار پیسوں ں کا نفع ہوگا۔ آپ نے دیکھا، ائیر پورٹ پر

جائیے، ریلوے اسٹیشن پر جائیے، وہاں جانے کے بعد قلی آپ کو گھیر لے گا، آپ کا سامان اٹھا کر لے جانے کی کوشش کرے گا، کیوں؟ اس لیے کہ دو پیسے ملیں گے۔ اسی طریقہ سے بازار میں جو مزدور کام کرتے ہیں، وہ کتنی محنت کرتے ہیں؟ کتنی مشقت اٹھاتے ہیں؟ چار پیسے حاصل کرنے کے لیے۔ تو میرے دوستو میرے بزرگو! آپ یہ سوچیے کہ دنیا کے فائدے کے لیے آدمی اپنی جان کو ہلکان کرتا ہے اور وہ چند ٹکوں کا فائدہ اور بالکل عارضی فائدہ ہے۔ آخرت کے اندر جو فائدے حاصل ہوں گے ان کی کوئی حد ہے؟ ان کی کوئی انتہا ہے؟ اس میں ہمیں رغبت کیوں نہیں ہے؟ ہمیں اس کے لیے رغبت ہونی چاہیے، ہمیں اس کے لیے سعی اور کوشش کرنی چاہیے اور یہ جبھی ہوگا جب ہم اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے۔ شیطان راستہ مارتا ہے اور بہکانے کی کوشش کرتا ہے اور کسی قیمت پر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتا، لیکن جو اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں، جن کو اللہ سے مضبوط اور پختہ اور قوی تعلق ہوتا ہے، شیطان ان کو بھی بہکانے کی کوشش کرتا ہے، مگر ان پر اس کا بس نہیں چلتا۔

مولانا روم نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سو رہے تھے تو ابلیس آیا اور آنے کے بعد اس نے ان کو کہا کہ حضرت! تہجد کا وقت ختم ہونے جا رہا ہے، آپ اٹھ جائیں نماز پڑھیں۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ مہربان کون ہے جو مجھے تہجد کے لیے اٹھانے کے واسطے آگیا؟ تو آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم مجھے تہجد کی نماز کے لیے جگانے کے واسطے آئے، تمہارا تو یہ کام نہیں ہے؟ اس نے کہا خدا نہ کرے کہ میرے یہ کام ہوں، میرے یہ کام نہیں ہیں، میں نے آپ کو اس لیے اٹھایا کہ ایک زمانہ میں میں بھی عبادت کیا کرتا تھا تو عبادت کا ذوق حاصل تھا، آپ بھی چوں کہ عبادت کرتے ہیں تو اس لیے میں نے سوچا کہ آپ کو اٹھا دوں حضرت معاویہ صحابی تھے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے، وہ اس کے دھوکے میں نہیں آسکتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ سچ سچ بتا کہ وجہ کیا ہے؟ کیوں اٹھایا تو نے مجھے؟ وہ کہنے لگا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ایک روز آپ کی تہجد قضا ہوگئی تھی تو آپ کو بہت قلق ہوا تھا، بہت دکھ ہوا تھا، آپ نے اللہ سے بہت معافی مانگی تھی، بہت معذرت کی تھی، اس دکھ کی وجہ سے، اس معافی کی وجہ سے اللہ نے آپ کا اتنا مرتبہ بڑھا دیا تھا کہ اگر آپ تہجد پڑھتے تب بھی اتنا مرتبہ نہ بڑھا ہوتا تو اس لیے مجھے خیال آیا کہ اگر آج بھی آپ کی تہجد رہ گئی تو آپ پھر وہی معافی تلافی کریں گے، آپ کا درجہ بلند ہوگا اور مجھے یہ کسی قیمت پر منظور نہیں ہے کہ آپ کا درجہ بلند ہو……

تو اس لیے دوستو! شیطان دھوکہ دیتا ہے اور دھوکہ دینے میں وہ کوئی کسر نہیں چھوڑتا، لیکن وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے، یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ اے اللہ! جو آپ کے خاص بندے ہوں گے ان پر میرا بس نہیں چلے گا۔ یہ جانتا ہے، لیکن ان کے لیے بھی پھر کوشش کرتا ہے تو ہمیں اللہ کا خاص بندہ بننا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا چاہیے، یہ کائنات ہے، یہ دنیا آپ دیکھ رہے ہیں، لوگ جا رہے ہیں، ہمارے والد صاحب چلے گئے، ہماری والدہ صاحبہ چلی

گئیں، ہمارے خالو چلے گئے، ہماری خالہ چلی گئیں، ہمارے ماموں چلے گئے، ہماری ممانی چلی گئیں، روز دیکھتے ہیں۔ نہیں دیکھ رہے؟ اس کے باوجود ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ ہم دنیا کے اندر ایسے پھنسے ہوئے ہیں، ایسے مبتلا ہیں کہ کبھی آخرت کی فکر نہیں ہوتی ہمیں آخرت کا خیال رکھنا چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کرنا چاہیے، کتنی عجیب بات ہے! غلط لوگ غلط بات پر ڈٹے ہوئے ہیں، کسی قیمت پر وہ اپنی غلطی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، ہم ایمان والے اچھی بات کو کیوں اس طرح مضبوط نہیں پکڑتے؟ دیکھنا چاہیے دنیا کے اندر لوگ ہیں، غلط طریقوں پر چل رہے ہیں، کسی قیمت پر ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، وہ غلط بات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور ہم صحیح بات کو اختیار کرنے کے لیے مستعد اور چوکس نہیں ہیں۔ یہ بڑی کمزوری کی بات ہے، ہمیں اس بات کا اہتمام ہونا چاہیے۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت خوشی ہوئی، آپ کی زیارت ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ممتاز عالم دین مولانا ابراہیم فانی کا سانحہ ارتحال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے استاذ الحدیث، ممتاز عالم دین، شاعر وادیب حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحب مورخہ 26 فروری 2014ء بروز بدھ کو انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ فاضل دارالعلوم دیوبند، سابق صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مولانا عبدالحلیم زروبیؒ کے صاحبزادے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم حقانیہ کا رُخ کیا اور زمانہ طالب علمی سے وفات تک کا عرصہ دارالعلوم حقانیہ میں استقامت سے طے کیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں آپ کا شمار ممتاز اساتذہ میں ہوتا تھا۔

تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف اور شعروشاعری کا بھی نہایت صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ آپ عربی، اردو، فارسی اور پشتو چاروں زبانوں میں عمدہ شاعری کرتے تھے جب کہ ان چاروں زبانوں میں کئی دینی کتابیں بھی تحریر کیں۔

آپ آخری ایام میں علیل تھے اور علاج کے سلسلے میں ہسپتال میں داخل تھے کہ آپ کا وقت موعود آپہنچا اور آپ داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دارِ فانی سے دارِ بقا کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

آپ کی نمازِ جنازہ دو مرتبہ ادا کی گئی۔ پہلی نمازِ جنازہ دارالعلوم حقانیہ میں حضرت مولانا انوار الحق صاحب (نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ) کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ جب کہ دوسری نمازِ جنازہ آپ کے آبائی گاؤں زروبی (صوابی) میں ادا کی گئی، جس میں علماء وطلبہ کے جم غفیر نے شرکت کی۔ آپ نے سوگواران میں بیوہ، ایک بیٹی، دو بیٹے اور ہزاروں تلامذہ وعقیدت مند چھوڑے ہیں۔

ادارہ وفاق مرحوم کی وفات پر مرحوم کے پسماندگان اور دارالعلوم حقانیہ کے غم میں مکمل شریک ہے اور دعا گو ہے کہ رب ذوالجلال مولانا مرحوم کی کامل مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین